تبصرۂ کتب

کتاب : اقبال نامے
مرتبہ : ڈاکٹر اخلاق اثر
ناشر : طارق پبلی کیشنز ، بھوپال
ضخامت : ۱۰۴ صفحات (طباعت : لیتھو)
قیمت : ۲۵ روپے
مبصر : ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

اس مجموعے میں علامہ اقبال کے اکہتر ایسے مکاتیب جمع کیے گئے ہیں ، جو اُنھوں نے بہ قول مرتب : ''لاہور سے بھوپال میں موجود یا بھوپال سے بھوپال میں موجود اور بھوپال سے باہر موجود اپنے دوستوں اور عقیدت مندوں کو تحریر کیے تھے ۔'' (دیباچہ ، ص ۹) ان میں چار خطوط غیر مطبوعہ ہیں اور تین خطوط جزوی طور پر شائع شدہ ہیں ، ان کا مکمل متن پہلی بار سامنے لایا گیا ہے ۔ یہی سات خطوط ، ''اقبال نامے'' کی بنیاد ہیں ۔ اس اعتبار سے یہ سات خط ، زیرِ نظر مجموعے کا ''متن'' ہیں اور بقیہ چونسٹھ مکاتیب ''حواشی'' کے ذیل میں آتے ہیں ۔ یہ چونسٹھ مکاتیب ''اقبال نامہ'' (اول) ''مکتوباتِ اقبال'' اور ''خطوطِ اقبال'' میں موجود ہیں اور ڈاکٹر اخلاق اثر نے بیشتر خطوط وہیں سے اخذ کیے ہیں کیوں کہ ان کے منقول متن میں بھی وہی اغلاط موجود ہیں ، جو متذکرہ بالا مجموعوں میں پائی جاتی ہیں ، مثلاً راس مسعود کے نام ۲۰ مارچ ۱۹۳۵ء اور ۱۴ اپریل ۱۹۳۵ء کے خطوط کے آخر میں yours for ever اور yours ever کا ترجمہ نہیں دیا گیا ، کیونکہ ''اقبال نامہ'' ، اول (ص ۳۵۲) میں بھی یہی صورت ہے ۔ اسی طرح ''اقبال نامہ'' سے منقول راس مسعود کے نام خط

۱۔ خط کا انگریزی متن دیکھیے Letters of Iqbal ، مرتبہ : بشیر احمد ڈار ، ص ۹۴ ، ۹۸ ۔

۱۶ ، اور ۱۷ کی تاریخ تحریر ۱۰ ستمبر اور ۱۱ ستمبر ہے ۔[۲] (نہ کہ دسمبر) یہ امر متنِ خطوط ہی سے واضح ہے ، جس میں علامہ لکھتے ہیں کہ : "لاہور میں گرمی کی بے انتہا شدت ہے ۔" خط ۱۷ کے آغاز میں لفظ Confidential "اقبال نامہ" کی تقلید میں محذوف ہے ۔ اسی طرح راس مسعود کے نام ۲ مئی ۱۹۳۵ء کے خط کا آخری جملہ [علی بخش آپ اور لیڈی مسعود صاحبہ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے ۔ اقبال نامہ ، اول ، ص ۳۵۹] "اقبال نامے" میں موجود نہیں ہے ۔

البتہ بعض خطوط کا متن "اقبال نامہ" سے مختلف ہے ، غالباً مرتب کو ایسے اصل خطوط دستیاب ہوئے ، جو اختلافِ متن کی بنیاد بنے ہیں ، مگر زیرِ نظر مجموعے کی بہت بڑی خامی یہ ہے کہ متن میں اضافوں اور تصحیح کی تائید میں کوئی شہادت پیش نہیں کی گئی ۔ جن مطبوعہ جزوی خطوط کا مکمل متن سامنے لایا گیا ہے ، یا "اقبال نامہ" میں شامل جن خطوط کے متن کی تصحیح کی گئی ہے ، اُن کے عکسی نقول شامل کرنے سے یہ مجموعہ زیادہ وقیع بن سکتا تھا ۔

ایک احساس یہ بھی ہوتا ہے کہ مرتب نے تفحص سے کام نہیں لیا اور "اقبال نامہ" سے نقلِ خطوط میں بعض اغلاط راہ پا گئی ہیں ، مثلاً راس مسعود کے نام خط ۱۲ میں ایک جملہ ہے : "وہ آپ کو ہر روز یاد کر لیتا ہے" (اقبال نامہ ، اول ، ص ۳۳۵) ڈاکٹر اخلاق اثر کے ہاں "آپ کو" چھوٹ گیا ہے ۔ خط ۲۶ : "ایک مدت سے علی گڑھ میں مقیم رہتی ہے" اور "تسلی ہوتی" کی بجائے اقبال نامہ (اول ، ص ۳۸۵) کا متن "ایک مدت سے علی گڑھ میں مقیم رہی ہے" اور "تسلی ہوتی ہے" قابلِ ترجیح معلوم ہوتا ہے ـــــ یوں ڈاکٹر اخلاق اثر نے "اقبال نامہ" کے بارے میں جو اعتراض کیا ہے ["خطوط کو نقل کرتے وقت نہ تو اقبال کے املے (کذا) کا خیال رکھا گیا تھا اور نہ ہی جملے میں ترتیب الفاظ کی پابندی پر توجہ دی گئی تھی" ، ص ۱۱] وہ "اقبال نامے" کے بعض خطوں پر بھی وارد ہوتا ہے ۔

دیباچے میں مرتب کا یہ انداز : "ممنون حسن خاں نے ۔ ۔ ۔ ۔ بہت سے ایسے انکشافات سے نوازا ، جن سے کوئی واقف نہ تھا" ـــــ عبدالحکیم

۲۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار : مجلہ تحقیق ، جلد اول ، شمارہ ۱ ، ۲ ۔

انصاری مرحوم کی یادداشتوں سے بھی بہت سے حقائق واضح ہوئے" ـــــ "بہت سی نئی تفصیلات میسر آئیں" ـــــ "اقبال حسین خان مرحوم ۔ ۔ ۔ نے اقبال اور اقبال کے مکتوب الیہم کے بارے میں اہم انکشافات فرمائے تھے" (ص ۱۰) خاصا مبالغہ آمیز ہے ۔ کیوں کہ اس مجموعے میں ایسے حقائق و انکشافات کا کہیں ذکر نہیں ملتا ۔ مرتب نے ص ۱۲ پر لکھا ہے کہ : "نواب حمید اللہ خاں کی طرف سے اقبال کو دیے جانے والے وظیفہ کے احکامات کی صحیح تاریخ ۲۶ مئی ۱۹۳۵ء کا علم ہوتا ہے" ـــــ مگر یہ علم کس خط سے ہوتا ہے ؟ مرتب نے وضاحت نہیں کی ، نہ اس مجموعے میں کوئی ایسا قرینہ ملتا ہے جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکے ۔ اسی طرح "نادرہ مسعود کا نام ، اقبال کا نہیں ، مولوی عبدالرزاق البرا مکہ کا تجویز کردہ" ہے (ص ۱۳) کی سند بھی نہیں بتائی گئی ۔

ڈاکٹر اخلاق اثر نے بھوپال کے حوالے سے اقبال کے تین خطوط اس مجموعے میں شامل نہیں کیے ۔ اول : مکتوب بنام راس مسعود محررہ ۱۴ جنوری ۱۹۳۴ء جس کا انگریزی متن Letters of Iqbal (ص ۹۵) میں شامل ہے ۔ دوم : مکتوب بنام راس مسعود محررہ ۲ جون ۱۹۳۴ء جس کا انگریزی متن Letters of Iqbal (ص ۹۶) میں اور اردو ترجمہ "اقبال نامہ" (اول ، ص ۳۵۱) میں شامل ہے ۔ (ترجمہ ناقص ہے) ۔ سوم : مکتوب بنام محمد جمیل محررہ ۶ مارچ ۱۹۳۶ء جس کا انگریزی متن Letters of Iqbal (ص ۱۲۵) اور اردو ترجمہ "اقبال نامہ" (اول ، ص ۹۸ - ۹۹) میں موجود ہے ۔

مجموعی اعتبار سے "اقبال نامے" علامہ اقبال سے مرتب کی محبت اور اقبالیات سے دلچسپی و وابستگی کا ثبوت ہے ۔ غیر مطبوعہ خطوط کی دریافت اور بعض خطوں کے محذوف حصوں کی بازیافت ، اقبال کے متن میں اہم اضافہ ہے ۔ خصوصاً ۱۳ مئی ۱۹۳۰ء کے مکتوب بنام راس مسعود (اقبال نامہ میں ۳۰ مئی ۱۹۳۰ء درست نہیں) کی ابتدائی سطور کی دریافت ، غالباً یہی سطور "اقبال نامہ" کی اشاعت کو ابتدا میں روک لینے کا باعث ہوئیں ۔ اسی طرح ۱۰ جون ۱۹۳۷ء کے مکتوب کی ان سطور کی بازیافت جن کا تعلق شیخ اعجاز احمد سے ہے ۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ اقبال ، شیخ اعجاز احمد کے عقائد کی بنا پر ان کی جگہ سر راس مسعود کو اپنے بچوں کا سرپرست مقرر کرنا چاہتے تھے ۔ مگر تحقیقی اعتبار سے ، متنِ اقبال

سے متعلق ہندوستان سے چھپنے والی دوسری کتابوں (نوادرِ اقبال اور اقبال کے نثری افکار) کی طرح اس کا پایہ بھی کمزور ہے -

O

کتاب : اقبال ــ دانائے راز
از : عبداللطیف اعظمی
ناشر : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی
ضخامت : ۲۴۰ صفحات
قیمت : ۱۵ روپے
مبصر : ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

اقبالیات کبھی عبداللطیف اعظمی کا موضوع نہیں رہا ، مگر ''اسے اقبال صدی کی برکت کہیے یا اقبال کی کشش'' کہ اس کے باوجود وہ ایک ایسی کتاب لکھنے میں کامیاب ہوئے ، جو اقبال پر ہندوستان میں شائع ہونے والی کتابوں میں کئی اعتبار سے منفرد ہے -

یہ کتاب تین حصوں میں منقسم ہے - پہلا حصہ اقبال کی سوانح پر مشتمل ہے جسے مصنف نے اقبال کی معاصر تحریروں اور ان کی خود نوشت (زیادہ تر خطوط) کی مدد سے ترتیب دیا ہے - تقریباً ایک سو صفحات میں حیاتِ اقبال کے ضروری کوائف اجاگر ہوگئے ہیں - ان کی یہ کاوش ، اقبال کی بعض سوانح عمریوں سے زیادہ وقیع محسوس ہوتی ہے - تاہم بعض باتیں تصحیح طلب ہیں ، مثلاً : (ا) علم الاقتصار ۱۹۰۳ء میں نہیں ، ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی (ص ۲۲) -

(ب) ڈاکٹریٹ کا مقالہ ، جرمن میں نہیں ، انگریزی میں لکھا اور پیش کیا گیا - (ص ۵۹)

(ج) اقبال کی پہلی شادی ۱۸۹۳ء میں ہوئی ، اس وقت وہ میٹرک کا امتحان دے چکے تھے (ص ۶۵) ، ص ۲۱۴ پر مصنف نے اپنی غلطی کی خود اصلاح کر لی ہے -

(د) اقبال کے دوسرے اور تیسرے عقد کے بارے میں وہ سب سے زیادہ اُلجھن کا شکار ہوئے ہیں - (ص ۶۶ ، ۶۷ ، ۶۸) صحیح صورت یہ ہے کہ دوسری شادی ایک معزز کشمیری خاندان کی سردار بیگم (والدہ جاوید اقبال اور منیرہ بانو) سے ہوئی - ان کا انتقال ۲۷ مئی ۱۹۳۵ء

کو جاوید منزل لاہور میں ہوا ۔ تیسرا عقد مختار بیگم (لدھیانہ) سے ہوا ، ان کا انتقال زچگی کے زمانے میں ۲۱ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو لدھیانے میں ہوا ۔

(ہ) علامہ اقبال پہلی گول میز کانفرنس میں نہیں ، دوسری اور تیسری کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے ۔ (ص ۱۰۲)

کتاب کے دوسرے حصے کا عنوان ہے : ''مکاتیب اقبال کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ'' ۔ خطوطِ اقبال کے تنقیدی جائزے میں اُنھوں نے کئی نئے نکات پر روشنی ڈالی ہے ۔ یہ حصہ دلچسپ اور فکر انگیز ہے ۔ ان کا خیال ہے کہ ''اپنے معاصرین کے مقابلے میں اقبال کی اہمیت سب سے زیادہ ہے اور تعداد کے لحاظ سے اُردو کے تمام مکتوب نگاروں کے مقابلے میں اقبال سب سے آگے ہیں ۔'' (ص ۱۲۵) ـــــ تیسرے حصے میں ''حیاتِ اقبال کی اہم تاریخیں'' کے زیرِ عنوان مصنف نے ۲۸ صفحات پر مشتمل حیاتِ اقبال کا توقیت نامہ ترتیب دیا ہے ۔ عبداللطیف اعظمی نے دیباچے میں بتایا ہے کہ انھیں تاریخوں سے خاص دلچسپی ہے (ص ۹) اُن کا یہ ذوق توقیت نامہ میں نمایاں ہوا ہے ۔

عبداللطیف اعظمی کے ہاں بہت اچھا تحقیقی ذوق موجود ہے ۔ ان کی یہ کتاب واقعات کی صحت و جامعیت اور مواد کی ترتیب کے اعتبار سے ایک کامیاب اور مفید کاوش قرار دی جاسکتی ہے ۔ کسی ادعا کے بغیر پیش کی جانے والی یہ کتاب ، عام قاری کے نقطۂ نظر سے بھی ، اقبال شناسی کے لیے اہمیت رکھتی ہے ۔

○

اقبال اکادمی پاکستان ، لاہور

کی

مطبوعات کی اشاعت ثانی

(اردو - انگریزی)

	قیمت
۱- مکاتیب اقبال بنام گرامی مرتبہ : محمد عبداللہ قریشی	۲۰ روپے
۲- اقبال اور عطیہ بیگم (اردو ترجمہ) از ضیاء الدین برنی	۱۶ ,,
۳- اقبال اور سیاست ملی از رئیس احمد جعفری	۳۴ ,,
۴- اقبال اور جمالیات از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر	۳۵ ,,
۵- اقبال اور حیدر آباد (دکن) از نظر حیدر آبادی	۲۱ ,,
۶- اقبال کے حضور از سید نذیر نیازی	۵۱ ,,
۷- اسلام اور سائنس از ڈاکٹر محمد رفیع الدین	۵ ,,

	Price
1. Introduction to the Thought of Iqbal. (trans. from French) *M. A. M. Dar*	Rs. 4.00
2. A Voice from the East *Zulfiqar Ali Khan*	,, 5.00
3. Letters and Writings of Iqbal *B. A. Dar*	,, 14.00

کتاب : علامہ اقبال (مصلح قرن آخر)
مصنف : ڈاکٹر علی شریعتی
مترجم : کبیر احمد جائسی
ناشر : اقبال انسٹی ٹیوٹ ، سری نگر
ضخامت : ۱۰۳ صفحات
قیمت : ۱۲ روپے
مبصر : جگن ناتھ آزاد

عاشقانِ اقبال یا عاشقانِ کلام اقبال ، دنیا کے ہر ملک میں موجود ہیں اور یہ سب اپنے اپنے طریقے سے اقبال کے شعری مرتبے اور فکر و نظر پر کام کر رہے ہیں ۔ ایران میں عاشقانِ اقبال کی تعداد خاصی زیادہ ہے اور اُن میں ڈاکٹر علی شریعتی کا نام ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے ۔ زیرِ نظر کتاب ''علامہ اقبال، مصلح قرنِ آخر'' ڈاکٹر علی شریعتی کی اُن دو تقریروں میں سے ایک کا ترجمہ ہے جو اُنھوں نے تہران کے مشہور دینی مدرسے حسینیہ ارشاد میں کیں ۔ یہ ترجمہ ڈاکٹر کبیر احمد جائسی ، ریڈر اقبال انسٹی ٹیوٹ ، کشمیر یونیورسٹی (سری نگر) نے کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر علی شریعتی کی اس تقریر کا اُردو میں ترجمہ کر کے ڈاکٹر جائسی نے اقبالیات کے سلسلے میں ایک اہم کام انجام دیا ہے ۔ اقبال پر انگریزی یا یورپ کی دوسری زبانوں میں جو کام ہو رہا ہے وہ اپنی اصل صورت میں یا اُردو ترجموں کی صورت میں ہم تک بہت جلد پہنچ جاتا ہے لیکن ایران یا دوسرے مشرقی ممالک میں جو کام ہو رہا ہے اُس سے ہم اکثر ناآشنا رہتے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ اس کا سبب فارسی زبان سے ہماری بے گانگی یا بے اعتنائی ہے ۔ یہی سبب ہے کہ تاجیکستان ، افغانستان اور ایران میں اقبال پر جو کام ہو رہا ہے وہ اپنی بے پایاں اہمیت کے باوجود ہم اُردو والوں تک نہیں پہنچ رہا ہے ۔

یہ ترجمہ اقبال انسٹی ٹیوٹ سری نگر کی طرف سے کتابی صورت میں شائع ہوا ہے اور یہ ایک ایسا کام ہے جس کے لیے اقبال انسٹی ٹیوٹ مستحقِ مبارک باد ہے ۔

شروع میں پروفیسر آل احمد سرور ، ڈائرکٹر اقبال انسٹی ٹیوٹ ، کا ایک پیش لفظ شاملِ کتاب ہے جس میں اُنھوں نے مختصر طور پر اُس کام

کی طرف اشارہ کیا ہے ، جو اس وقت اقبال پر ایران میں ہو رہا ہے ۔

ڈاکٹر کبیر احمد جائسی نے ''مقدمے'' میں ڈاکٹر علی شریعتی کے حالاتِ زندگی قلم بند کرکے اس چھوٹی سی کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ کر دیا ہے ۔ اس مقدمے سے پہلی بار یہ حقیقت ہم اُردو والوں کے سامنے آتی ہے کہ ۱۳۳۶ھ ش میں جب شاہِ ایران کے خلاف ملک میں تحریک شروع ہوئی تو ''علی شریعتی اور اُن کے والد آقا محمد تقی شریعتی دونوں اس تحریک کے سرگرم کارکن ہے ۔ اس لیے ان دونوں حضرات کو گرفتار کر کے ایک فوجی ہوائی جہاز کے ذریعے پہلے تو مشہد سے تہران لایا گیا ، پھر جیل میں منتقل کر دیا گیا ۔ آٹھ ماہ کی سخت قید و بند اور ایذا رسانی کے بعد ان کو رہا کیا گیا تو وہ پھر سے مشہد چلے آئے اور مشہد آ کر اُنھوں نے پھر اپنی ''تعلیم کا سلسلہ جاری کیا'' ۔ ۱۳۵۲ھ ش میں انھیں انقلابی سرگرمیوں کے جرم میں پھر گرفتار کر کے ''جیل خانے میں ڈال دیا گیا جہاں وہ اٹھارہ مہینوں تک طرح طرح کے مظالم سہتے رہے ۔'' ان کا انتقال لندن میں ۱۹ جون ۱۹۷۷ء کو ہوا ۔ بقول ڈاکٹر کبیر جائسی ، ''علی شریعتی کو نہ قلبی عارضہ تھا نہ وہ ان دنوں بیمار تھے اس لیے اُن کے پرستاروں کا خیال ہے کہ ان کو ان ساواکیوں نے ختم کیا ہے جو لندن میں مقیم تھے ۔ چنانچہ اُن کو شہید کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور آج بھی یہی سمجھا جاتا ہے کہ ان کی موت فطری نہ تھی ۔''

اس کتاب کے مطالعے سے پہلا مسرت آمیز انکشاف جو مجھ پر ہوا یہ ہے کہ علی شریعتی بھی فکرِ اسلامی کی تشکیل جدید کے قائل ہیں اور اس بات کے آرزومند ہیں کہ اسلام کا عالم گیر طرزِ تفکر پھر اسلام کو واپس مل جائے اور مسخ شدہ حقائق کا وہ حصار جس میں بعض تنگ نظر مسلمانوں نے اسلام کو محصور کرنے کی کوشش کی ہے ، مسمار ہو جائے ۔ اس تقریر کے شروع ہی میں ڈاکٹر علی شریعتی کہتے ہیں :

''یہ اہم اور مفید جلسہ جو حسینیہ ارشاد جیسے تحقیقی اور تبلیغی ادارے کی طرف سے منعقد کیا جا رہا ہے ، غالباً پہلا جلسہ ہے جس میں ہم اس جدید دور میں اسلامی فکر ، انسانی بصیرت اور اسلامی بین الملیت کی عالمگیر سطح پر کوئی علمی ، تحقیقی اور منطقی کام کر رہے ہیں ۔

''آج کا یہ جلسہ نشاندہی کرتا ہے کہ اسلامی دنیا بالخصوص ایران

کے دانش مند اس مرحلے میں داخل ہوگئے ہیں کہ وقت اور زمانے نے ان کی شخصیت اور فکر کے گرد جو محدود چار دیواری کھینچی تھی اُس کو اُنھوں نے توڑ ڈالا ہے اور اس بات کی کوشش ہو رہی ہے کہ جس سالمیت کو زمانے اور زمانے کے غداروں نے تتر بتر کر کے اس کی شکل مسخ کر دی تھی دوبارہ برقرار ہو جائے اور وہ کلی یا اسلامی وحدت جس کے بغیر مذہبِ اسلام ہرگز ہرگز ایک زندہ اور متحرک مذہب کی شکل اختیار نہیں کر سکتا اس کی تشکیلِ جدید ہو ۔ تشکیلِ جدید کی یہ اصطلاح وہی اصطلاح ہے جس کو اقبال نے اپنی عظیم تصنیف ''فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید'' کا عنوان بنایا ہے ۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ اس جلسے سے اسلامی تحقیقات میں ہماری معنوی ، علمی ، فکری اور اسلام شناسی کی سعی سے ایک نئے دور کا آغاز ہوگا ، اور ہم اس پروگرام سے زیادہ دقیق ، کامل اور مفید ترین پروگرام کے ناظر ہوں گے ۔''

مغرب اور مغربی تہذیب کی جانب ڈاکٹر علی شریعتی کا رویہ بھی اقبال کے رویے سے مختلف نہیں ہے ۔ وہ مغربی تہذیب کی تباہ کاریوں سے نالاں بھی ہیں اور مغربی علوم و فنون کی اہمیت کے قائل بھی ۔ وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جہاں اقبال کا بنیادی سرچشمۂ افکار اسلام ہے وہاں اقبال نے دنیا کے باقی فلسفیانہ نظریات سے آنکھیں بند نہیں کیں بلکہ ان کا بغور مطالعہ کیا ہے ۔ اپنے اس نظریے کو علی شریعتی نہایت خوبصورت الفاظ میں بیان کرتے ہیں ۔ وہ لکھتے ہیں :

''اقبال نے موجودہ دور کی تمام فلسفیانہ اور روحانی منازل کو اپنے اسلامی عرفان اور ایمانی بصیرت اور بصارت کے ذریعے طے کیا ہے ۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک مہاجر مسلمان ہیں ، جو ہندوستان کے پراسرار سمندروں کی گہرائیوں سے نکل کر یورپی اقتدار کی بلند ترین چوٹی تک جا پہنچے لیکن وہ اس چوٹی پر جمے نہیں رہے بلکہ اپنے تعجب خیز سفر کی داستان لے کر ہمارے درمیان واپس آ گئے ۔ میں دیکھتا ہوں کہ اسلام نے ایک بار پھر بیسویں صدی میں اپنی خود آگاہ ، دردمند مگر پریشان حال نسل کے لیے اقبال کی شخصیت کی شکل میں ''نمونہ سازی'' کی ہے ۔''

اسی بحث میں آگے چل کر آپ لکھتے ہیں :

''اقبال ان رجعت پسندوں اور ماضی پرستوں میں نہیں ہیں جو جدید یا مغربی تہذیب کی ہر نئی چیز سے چھانے پھٹکے اور سمجھے بوجھے بغیر خواہ مخواہ کی دشمنی رکھتے ہیں اور نہ ہی وہ ان لوگوں میں ہیں جن میں

نقد و انتخاب کی جرأت نہیں اور جو مغربی افکار میں محو اور مغرب کے مقلد محض ہیں ۔ اگر ایک طرف وہ علم کی خدمت کرتے ہیں تو دوسری طرف وہ اس بات کو بھی محسوس کرتے ہیں کہ انسان کی تمام مقصدی تگ و دو کی ضرورتوں اور تکمیلِ بشریت کے تمام تقاضوں کے لیے علم نہ صرف ناکافی ہے بلکہ ضرر رساں بھی ہے ۔ اقبال کے پاس اس دشواری کا حل بھی موجود ہے بہرحال وہ ایک ایسے شخص ہیں جو مشاہدۂ عالم کے لیے اپنا ایک مخصوص نقطۂ نظر رکھتے ہیں اور یہ نقطۂ نظر دنیا اور انسان کے بارے میں جو روحانی فلسفہ پیش کرتا ہے اُس کی اور اُس تمدن و تاریخ کی بنیادوں پر اپنے سماجی مکتبِ فکر کی اساس رکھتے ہیں جو اُن کے نقطۂ نظر اور روحانی فلسفے سے تال میل کھاتا ہے ۔''

علی شریعتی اقبال کی شخصیت کو اپنے زمانے کی بیدار ترین شخصیت قرار دیتے ہیں ۔ اتنی بیدار کہ لوگ اُن کو ایک سیاسی رہنما ، ایک رہبرِ آزادی اور بیسویں صدی کی استعماریت کا سب سے بڑا دشمن سمجھتے ہیں ۔ ان کی علمی اور فلسفیانہ شخصیت کی بلندی کا عالم یہ ہے کہ آج کی مغربی دنیا ان کو برگساں کی طرح کا ایک فلسفی اور مفکر تسلیم کرتی ہے ۔''

ڈاکٹر علی شریعتی کے نزدیک اقبال ایک مصلح ہیں لیکن مصلح کا مفہوم بیان کرتے ہوئے آپ کہتے ہیں کہ ''اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ وہ تدریجی تکمیل اور معاشرے کی تدریجی اصلاح کے علمبردار ہیں ۔ نہیں ، ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایک عمیق اور دور رس انقلاب کے علمبردار ہیں ۔ یہ انقلاب اندازِ فکر ، اندازِ نظر محسوس کرنے ، نصب العین اور تمدن کو یکسر منقلب کر دینے سے عبارت ہے ۔''

یہ کتاب اول سے آخر تک انقلابی خیالات سے لبریز ہے ۔ الجزائر کی جنگِ آزادی کا دل اس کے لفظ لفظ میں دھڑک رہا ہے ۔ واقعی اور حقیقی مغرب اور مغرب کے استعمار پسندوں میں جو خطِ امتیاز ہے اُس پر مصنف نے بڑی عمدگی سے روشنی ڈالی ہے ۔ اسی تعلق سے اقبال کی مغرب دشمنی اور مغرب دوستی دونوں پر بحث کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں :

''اقبال نے مغرب میں اپنے آپ کو آج کی دنیا کی فکر و فلسفہ کی بلند ترین چوٹی پر پہنچایا ۔ یورپ کے علم اور اس کی جدید تکنیک کی قدر و قیمت کو بخوبی سمجھا ۔ اقبال ایران اور ایران کے تہذیب و تمدن سے بھی آشنا ہوئے اور وہ معنویت ، لطافت ، روح ، ظرافت ، بصیرت کی

گہرائی جو اسلامی ایرانی تہذیب و تمدن کا خاصہ ہے اور خاص طور سے ایران کے ادبیات میں جن کے جلوے عام ہیں ان کو اُنھوں نے اپنے اندر سمو لیا ۔''

اگرچہ اس کتاب کا زیادہ حصہ اقبال کے فکر و فلسفہ سے متعلق ہے لیکن اس میں مصنف نے اقبال کی شاعری کے ذکر کو نظر انداز نہیں کیا ۔ شاعری کے متعلق علی شریعتی کا نقطۂ نگاہ ہر اعتبار سے ترقی پسندانہ ہے ۔ اقبال کی شاعری کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر علی شریعتی لکھتے ہیں :
''اقبال ایک شاعر ہیں ۔ شاید اقبال ایسی سنجیدہ و متین اور عظیم شخصیت کے لیے یہ صفت ہلکی معلوم ہو مگر ہر فن کی قدر و قیمت ، فن کار کی قدر و قیمت سے جڑی ہوتی ہے ۔''

اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے علی شریعتی خود یہ سوال کرتے ہیں :
''آخر شاعر ہونے کے کیا معنی ؟'' اور اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں : ''یعنی ایک خاص طرح کی بات کہنے کا ہنر رکھنا ۔ اسی لیے ہر شاعر کی قدر و قیمت اس بات سے متعین ہوتی ہے کہ وہ کس چیز کی بات کرتا ہے اور کس طرح سے ان باتوں کو جن کو نثر اپنے اندر مستقل کرنے اور ان میں تاثیر پھونکنے سے عاجز و قاصر ہے کہنے کے لیے اپنے فن کو بروئے کار لاتا ہے''۔ بقول علی شریعتی ''اقبال کی مثال ایک ایسے فن کار سی ہے جو خود آگاہ بھی ہے اور احساسِ ذمہ داری کا حامل بھی ۔ فن کی ذمہ داری اور اس کے تعہد (Commitment) اور فن کار کی اپنے زمانے اور اس سرزمین سے جبری آگاہی و وابستگی جس میں وہ اپنی زندگی بسر کر رہا ہے اور اسی میں تخلیقِ فن میں مشغول ہے ، کے سلسلے میں آج کل بہت باتیں کی جا رہی ہیں ۔ تعہد ادب (Committed Literature) یعنی وہ ادب جس نے اپنے آپ کو جبراً اور لازمی طور عوام کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا ہے تاکہ وہ عوام کی اس جنگ میں جو استعمار ، سرمایہ داری اور بورژواژی کے خلاف ہے ، عوام کی مدد کرے ۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ کا تعہد ادب بلا شک و شبہ مکمل طور پر طبقاتی نظام اور سرمایہ داری کے خلاف ہے اور ہمیشہ ان مزدوروں کا ہمسفر و ہم گام رہتا ہے جو اپنی آزادی اور نجات کے لیے مصروف پیکار ہیں ۔ لیکن تیسری دنیا ، بالخصوص استعمار زدہ ممالک کا ادب خواہ اور کچھ ہو یا نہ ہو مگر وہ استعمار مخالف ادب ضرور ہوتا ہے ۔''

جہاں تک اُردو ترجمے کا تعلق ہے اس کے مترجم کے یہ الفاظ یہاں درج کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں :

''اس ترجمے کو مکمل کر لینے کے بعد خیال ہوا کہ اگر یہ کسی اہلِ نظر کی نگاہ سے گزر جائے تو اچھا ہے ۔ اس خیال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ ترجمہ ڈاکٹر نور الحسن انصاری کی خدمت میں پیش کیا ۔ انھوں نے اس ترجمے کے ایک ایک لفظ پر نظر ڈالنے کے بعد مجھے لکھا کہ میں لفظی ترجمہ نہ کروں بلکہ مفہوم کو اپنے پیشِ نظر رکھوں ۔ ڈاکٹر انصاری کی یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے ، مگر میں نے اس ترجمے میں ترجمہ پن باقی رہنے دیا ہے تاکہ پڑھنے والے کو یہ التباس نہ ہو کہ یہ کوئی طبع زاد تحریر ہے ۔ ترجمہ اور طبع زاد میں کچھ تو فرق ہونا ہی چاہیے ۔''

ایک موقعے پر ڈاکٹر علی شریعتی لکھتے ہیں کہ اقبال نے ''لندن کی یونیورسٹی سے فلسفے میں ڈاکٹریٹ کی سند لی ۔'' چونکہ یہ صحیح نہیں ہے اس لیے اگر مترجم حاشیے میں یہ لکھ دیتے کہ فلسفے میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری اقبال نے میونک یونیورسٹی (جرمنی) سے حاصل کی تو قاری کے لیے مفید رہتا ۔ لیکن اس ذرا سی فروگزاشت سے کتاب کی قدر و قیمت میں کوئی کمی نہیں آتی ۔ ڈاکٹر علی شریعتی کی یہ کتاب اور اس کا زیر نظر اُردو ترجمہ اقبالیات میں ایک گراں قدر اضافہ ہے ۔ اُمید کرنی چاہیے کہ اقبال انسٹی ٹیوٹ سری نگر اقبالیات کے سرمائے کو اسی طرح بڑھاتا چلا جائے گا ۔

(۲۵ جولائی ۱۹۸۲ء)